علمِ قراءات اور دیگر دینی علوم کا باہمی تعلق

Mutual Correlation between Qiraat and Various Disciplines of Islam

Qismatullah Khan
Research scholar, Department of Usooluddin, University of Karachi.
Muhammad Ishaq
Department of Usooluddin, University of Karachi.
Nosheen Bano
Research scholar, Department of Usooluddin, University of Karachi.

ABSTRACT

It is clear from the fact that Allah has revealed the Quran in seven letters. And there are many things hidden in it. These are important to make Quranic readiness easier for people who read, and translate translation of Quranic words, in the contemporary interpretation of the meaning of Wafa'am and Ahmah Mussel, to smooth the path of extravagance and ease for the Umrah period. There are many such sciences that stand on the basis of different types of trees. These verses are explaining the meaningful meaning of Quranic interpretation in the Qur'aan, based on the verses of the Qur'aan, a faqha is a knowledge of a profession in the verses of the Quran, that is, in fact, the interpretation of Salaf is mentioned in the verses, On the basis of them, the Koran receives discrimination and Ejaz, which is mentioned in Koran in case of Kaafir's challenge.

وَإِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ وَادْعُوْا شُهَدَاءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ االلهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا ولن تفعلوا۔

"And if you suspect that this book which we ascend to our servant, it is not ours, so make one Surah like it, call our new ones, except for Allah Take the help you want, if you are truthful then do this work, but you did not do this and could never believe."
In relation to knowledge, other scholars and scholars (interpretation, jurisprudence, problems, beliefs, knowledge, knowledge and virtue of Muslim tradition) will be cleared.

Keywords: Quran in seven letters, interpretation, translation of Quranic words.

یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو سات حروف میں نازل فرمایا ہے اور اس میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ جن میں سے قرآن کریم کو پڑھنے والوں کے لئے آسانی بہم پہنچانا اور قرآنی الفاظ کے ترجمہ و تفسیر، معنی و مفہوم اور اَحکام و مسائل کے اَخذ و استنباط میں اُمت مرحومہ کے لئے وسعت اور آسانی کی راہیں ہموار کرنا خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سارے ایسے علوم ہیں جو متنوع قراءت کی بنیاد پر تن آور درخت کی سی حیثیت سے کھڑے ہیں۔ یہی قراءت قرآنیہ تفسیر قرآن میں مجمل معنی کی

وضاحت کررہی ہوتی ہیں، انہیں قراءت کی بنیاد پر استنباطِ احکام میں ایک فقیہ کو راجح مسلک کا علم ہوتا ہے۔ یہی قراءات عقیدۂ سلف کی توضیح اور نکھار میں ممد و معاون ثابت ہورہی ہوتی ہیں، انہیں کی بنیاد پر قرآن کریم کو وہ امتیاز اور اعجاز ملتا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں کفار کو چیلنج کی صورت میں کیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ وَادْعُوْا شُهَدَاءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ االلهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا ولن تفعلوا[1]

''اور اگر تمھیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے، یہ ہماری نہیں، تو اس کی مانند ایک ہی سورت بنا لاؤ، اپنے سارے ہم نواؤں کو بلالو، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو، اگر تم سچے ہو تو یہ کام کرکے دکھائو، لیکن تم نے ایسا نہ کیا اور یقینا کبھی نہیں کرسکتے۔''

زیر نظر مقالے میں علم قراءات اور دیگر علوم شرعیہ (تفسیر، فقہ، مسائل عقیدہ، علم نحو، علم بلاغت اور علم رسم عثمانی) کا باہمی تعلق واضح کیا جائے گا۔

علم قراءات اور تفسیر قرآن

قرآن حکیم کی تفسیر کے سلسلہ میں قراءات کو ایک اہم ماخذ کی حیثیت حاصل ہے، خاص طور پر متواتر قراءات کو نظرانداز کرنا قرآن کے ایک حصہ کو نظرانداز کرنے کے مترادف ہے۔ نیز دو متواتر قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں، ان میں سے کسی ایک قراءت کا انکار قرآن کی آیت کا انکار ہے۔

دو قراءتیں مثل دو آیتیں

جب کسی کلمہ قرآنی میں دو متواتر قراءتیں ہوں تو مفسرین وفقہاء کے نزدیک وہ دو آیات کی طرح ہیں۔ ان کی تفسیر اسی طرح کی جائے گی جس طرح ایک مسئلہ میں واردہ دو آیات کی تفسیر کی جاتی ہے۔ چنانچہ اُحکام القرآن للجصاص میں ہے:

وهاتان القراء تان قد نزل بهما القرآن جميعا ونقلتها الأمّة تلقّيا من رسو ل الله ﷺ[2]

''اور یہ دونوں قراءتیں ایسی ہیں کہ قرآن ان دونوں کے ساتھ نازل ہوا ہے اور امت نے ان کو رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا ہے۔''

اس اصول کے بارے میں امام جصاص (م ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

وأيضا فإ ن القرا ء تين كالآيتين،في إحداهما الغَسل وفي الأخرىٰ المسحُ لاحتمالهما للمعنيين فلو وردت آ يتا ن إحداهما توجب الغَسل والأخرى المسحَ لَمَاجازَ تركُ الغَسل إلى المَسح[3]

''اور دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں، ان میں سے ایک میں دھونے کا معنی ہے دوسری میں مسح کا معنی ہے، کیونکہ یہ دونوں معانی کا احتمال رکھتی ہیں۔ چنانچہ اگر بالفرض دو آیتیں نازل ہو جاتیں، ایک کا موجب دھونا ہوتا اور دوسری کا مسح ہوتا، تو بھی دھونے کو مسح کے مقابلہ میں ترک کرنا جائز نہ ہوتا ہے۔''

اقسامِ قراءات باعتبار تفسیری اثرات

تفسیری اعتبار سے قراءات کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ وہ قراءتیں جن سے تفسیر پر کوئی واضح اثر نہیں ہوتا، قرآن میں زیادہ قراءتیں اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔

۲۔ دوسری قسم وہ جن کا تفسیر پر کچھ نہ کچھ اثر واقع ہوتا ہے۔ یعنی ان میں بعض قراءتیں اس نوعیت کی ہیں کہ ان میں تفسیری معنی مزید وضاحت اور توسیع پیدا ہوتی ہے یا کوئی اشکال یا ابہام دور ہو جاتا ہے لیکن بہر حال ان کا محمل اور مصداق ایک ہی ہوتا ہے، جبکہ بعض قراءتیں ایسی ہیں کہ ایک قراءت کا مفہوم و مصداق دوسری قراءت سے بالکل مختلف ہوتا ہے، لہٰذا دونوں قراءتوں سے دو مختلف احکام ثابت ہوتے ہیں یا ایک ہی حکم کی دو ممکنہ صورتیں آجاتی ہیں۔

قریب المعنی قراءتیں اور ان کی تفسیر

وہ قراءات جن کا معنی ایک حد تک تو مختلف ہے، لیکن ان دونوں قراءتوں کا مصداق اور محل ایک ہی ہے، قرآن مجید میں اس طرح کی قراءتیں کثیر تعداد میں پائی جاتی ہیں۔

نمبر(ا) فَیُضَعِّفَہٗ/فیُضَاعِفَہٗ

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللہَ قرضًا حسناً فیضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کثِیْرَۃً(4)

اختلاف قراءات

اس آیت میں کلمہ "فیضٰعفہٗ" میں چار قراءتیں ہیں:

ا۔ فَیُضَعِّفُہٗ۔امام ابن کثیرؒ،ابو جعفرؒ، ۲۔ فَیُضَعِّفَہٗ۔امام ابن عامرؒ،امام یعقوبؒ، ۳۔ فیُضَاعِفَہٗ۔امام عاصمؒ، ۴۔ فیُضَاعِفُہٗ۔امام نافعؒ،ابو عمرو بصریؒ، حمزہ، کسائی، ۵۔ یہ کلمہ سورہ حدید میں بھی واقع ہوا ہے۔

توجیہ قراءات

امام قیسی(م ۴۳۷ھ) تشدید والی قراءت کے بارے میں لکھتے ہیں:

وحجۃ من شدّد وحذفَ الألفَ أنّہ حملَہ علی الکثیر لانّ فعّلتُ (مشدد العین) بابہ تکثیر الفعل

"جن قراء نے تفعیل سے پڑھا ہے تو ان کے نزدیک یہ فعل کثرت پر دال ہے؛ اس لئے کہ تفعیل کی خاصیت تکثیر فعل ہے۔"

اور تخفیف والی قراءت یعنی مفاعلہ والی قرات کے بارے میں لکھتے ہیں:

أنّ ضاعفتُ أکثر من ضعّفتُ؛ لأن ضعّفتُ معناہ مرّتان، وحُکی أن العرب تقول: ضعّفتُ درھمک أی جعلتہ درھمین، وتقول ضاعفتہٗ أی جعلتہ أکثر من درھمین(6)

"صیغہ مفاعلہ، صیغہ تفعیل سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے کہ تفعیل والے صیغہ کا معنی ہوتا ہے: دو مرتبہ، جیسا کہ عرب کہتے ہیں: ضعّفتُ

درھمکَ میں نے تیرے درہم کو دُوگنا کردیا۔اور جب ضاعفتہٗ کہتے ہیں،تو معنی ہوتا ہے کہ میں نے تیرے درہم کو دوگنا سے بھی زیادہ کردیا۔"

معنیٰ قراءات

امام ابن الجوزی(م۵۹۷ھ)زادالمسیر میں لکھتے ہیں:

معنى ضاعف وضعّف واحد،والمضاعفة الزيادةعلى الشيء حتى يصير مثلين أو أكثر [7]

"ضاعف اور ضعّف کا معنی ایک ہی ہے،اور مضاعفہ کسی چیز پر زیادتی اور اتنے اضافہ کا نام ہے،جس سے وہ دوگنی یا زیادہ ہو جائے تفسیر مظہری میں ہے:"اور تشدید اس میں تکثیر کے لیے ہے۔اور مفاعلہ مبالغہ کے لیے ہے۔"[8]

خلاصہ یہ کہ ان دونوں قراءتوں کو سامنے رکھ کر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ شخص جو اللہ کے لیے اس قرض والے کام کو اخلاص نیت کے ساتھ کرتا ہے اس کا اجر اور بدلہ کسی اعتبار سے بھی کم نہیں ہوگا۔اس میں کثرت بھی دو اعتبار سے ہوگی اور اس میں برکت بھی ہوگی گویا یہ دونوں قراءتیں معنی کے اندر مزید وسعت پیدا کر رہی ہیں۔

نمبر(۲) وَلاتُسْـَٔلُ/وَلاتَسْـَٔلْ

اِنّا اَرسلنٰکَ بالحقّ بَشيرًا وَّنَذيرا وَلا تُسـَٔلُ عَن اَصحٰب الجَحيمِ [9]

مختلف قراءات

اس آیت میں کلمہ "و لا تسئل"میں دو قراءتیں ہیں:

ا۔ وَ لا تَسْـَٔلْ۔امام ناف،اور یعقوبؒ، ۲۔وَ لا تُسْئَلُ ۔باقی سب قراء۔[10]

توجیہ قراءات

امام ابن خالویہ(م۳۷۰ھ)الحجۃ میں لکھتے ہیں:

فالحجة لمن رفع أنه أخبر بذلک وجعل لا نافية بمعنى ليس،ودليله قراءةعبد الله وأبى ولن تسأل۔والحجة لمن جَزمَ أنّہ جعلَہ نهياً [11]

"جنہوں نے مرفوع سے پڑھاہے،ان کی قراءت کی توجیہ یہ ہے کہ یہ اس بات کی خبر ہے،اور لا نافیہ لیس کے معنی میں ہے۔اور اس کی دلیل عبداللہ بن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ کی قراءت "وَلَن تُسألَ" ہے۔"[12]

البتہ جنہوں نے جزم سے پڑھاہے ان کے نزدیک یہ نہی کا صیغہ ہے۔

معنیٰ قراءات

تفسیر مظہری میں ہے:جمہور کی قراءت کے موافق ولا تُسْئلُ عن أصحٰب الجحيم کے یہ معنی ہوں گے:

"اے محمد ﷺ آپ سے اس کی پوچھ کچھ نہ ہو گی کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہ لائے۔آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے اور نافعؒ کی قراءت پر سوال سے منع کرنا شدت عذاب سے کنایہ ہو گا۔ جیسے کہا کرتے ہیں: اس کا حال مت پوچھ یعنی وہ بہت تکلیف میں ہے۔"(13)

مولانا اشرف علی تھانویؒ صیغہ نہی والی قراءت کے بارے میں لکھتے ہیں:

قرأ نافع ولا تسئل على صيغة النهى إيذانا بكمال شدة عقوبة الكفار وتهويلاً لها(14)

"نافع نے صیغہ نہی سے پڑھا ہے،تاکہ کفار کے عذاب کی شدت کی طرف اشارہ ہو جائے۔"

اسی طرح امام قرطبیؒ (م ۶۷۱ھ) نفی والی قراءت کا معنی بیان کرتے ہیں:

والمعنٰى إنّا أرسلنٰك بالحقّ بشيرًا وّنذيرًا غيرَ مَسئُولٍ عنهُم(15)

"اور معنی یہ ہے کہ بیشک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا،ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے،اس حال میں کہ ان کے بارے میں آپ سے کوئی سوال نہ ہو گا۔"

اور نہی والی قراءت کے بارے میں لکھتے ہیں:

وفيه وجهان: أحدهما أنّہ نهىٌ عن السؤال عمن عصىٰ وكفر من الأحياء ؛ لأ نّہ قد يتغير حالہ فينتقل عن الكفر إلى الإيمان وعن المعصية إلى الطاعة، والثانى وهو الأظهر أنّہ نهىٌ عن السؤال عمّن ماتَ علٰى كفره ومعصيتہ۔

"اس میں دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ یہ حکم زندوں میں سے گناہ گار اور کفار کے بارے میں سوال سے روکنے کے لئے ہو،کیونکہ ان کا حال کفر سے ایمان کی طرف،اور گناہ سے اطاعت کی طرف تبدیل بھی ہو سکتا ہے۔اور دوسرا جو کہ زیادہ ظاہر ہے،کہ یہ حکم کفر اور معصیت پر مرنے والے لوگوں کے بارے میں سوال سے روکنے کے لئے ہو۔"

خلاصہ یہ ہوا کہ نفی والی قراءت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اصحاب جہنم کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے کوئی سوال نہیں ہو گا کہ وہ کیوں ایمان نہیں لائے۔اس لئے نبی کریم ﷺ کی ذمہ داری صرف پہنچا دینا تھی اور نہی والی قراءت سے یہ معنی سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ان لوگوں کے بارے میں سوال کرنے سے منع فرمادیا ہے، جن کے بارے میں جہنم کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اس معنی کی تائید ایک دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے:

اِسْتَغْفِرْلَهُمْ أَوْلَا تَسْتَغْفِرْلَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْلَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَاللّٰهُ لَهُمْ،ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ،وَاللّٰهُ لَا يَهْدِىْ الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ(16)

"اے نبی ﷺ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں،اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے،تو بھی اللہ ان کو معاف نہیں فرمائے گا؛اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے،اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں عطاء فرماتا۔"

گویا اُس آیت میں دو قراءتوں کی وجہ سے دو پہلوؤں سے سوال کرنے سے روکنا ثابت ہو گیا۔یعنی نہ تو نبی کریم ﷺ سے جہنم والوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا،اور نہ ہی آپ ﷺ ان کے بارے میں کوئی سوال کریں گے اس لئے کہ ان کی مغفرت کا کوئی

اِمکان نہیں ہے اور اگر یہ سوال زندہ لوگوں کے بارے میں ہو تو ان کا حال تبدیل بھی ہو سکتا ہے۔

مختلف المعنی قراءت اور ان کی تفسیر

(هَل يَستَطِيعُ ربُّکَ/هَل تَستَطِيعُ ربَّکَ)

اِذقَالَ الحَوَارِيُّونَ يٰعِيسَى ابنَ مَريَمَ هَل يَستَطِيعُ ربُّکَ/هل تَستَطِيعُ ربَّکَ أن يُّنَزِّلَ عَلَينَامائدةً مّنَ السّماءقالَ اتّقُوا اللهَ اِن كُنتُم مُّؤمنِينَ [17]

”جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰؑ بن مریمؑ کیا آپ کا رب مان لے گا کہ وہ ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان نازل کر دے، تو حضرت عیسیٰؑ نے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔“

اختلاف قراءات

اس آیت میں دو قراءتیں ہیں:

۱۔(هل تَستَطِيعُ ربَّک)امام کسائی کی قراءت ہے، ۲۔ (هل يَستَطِيعُ ربُّک) باقی سب قراء۔[18]

توجیہ و معنی قراءات

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس جگہ استطاعت سے مراد حکمت وارادہ کا تقاضا ہو سکتا ہے۔ قدرت رکھنے کا مفہوم وارد نہیں ہے۔ اللہ کی قدرت میں تو حواریوں کو شک نہیں تھا، مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ کی حکمت وارادہ بھی ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں، کہ آسمانوں سے خوان نازل فرمادے۔ بعض علماء نے کہا کہ کلام کا وہی مطلب ہے جو ظاہری الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدائی ایمان تھا، اس وقت تک ان کے دلوں میں معرفت کا استحکام نہیں ہوا تھا کیونکہ جاہلیت اور کفر کا زمانہ ماضی قریب ہی میں ختم ہوا تھا۔ اور امام کسائی کی قراءت میں "هل تَستَطِيعُ ربَّک" آیا ہے۔ یہ عیسیٰؑ کو خطاب ہے اور (ربک) مفعول ہے یعنی اے عیسیٰؑ کیا آپ اپنے رب سے یہ درخواست کر دیں گے؟ اور آپ کے لئے یہ دعا کرنے میں کوئی رکاوٹ تو نہیں ہے؟ اور کیا آپ کا رب آپ کی یہ درخواست قبول کرے گا؟ جیسا کہ تفسیر مظہری میں ہے:

”استطاعت کا معنی (یہاں) اطاعت ہے، مان لینا یعنی درخواست کے مطابق کر دینا۔“[19]

حضرت علیؓ، عائشہؓ، عبداللہ بن عباسؓ کی بھی یہی قراءت ہے، اس قراءت کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عائشہؓ نے فرمایا حواری اللہ (کے رتبہ) سے خوب واقف تھے۔ اسی لئے حضرت عیسیٰؑ نے ان کے قول کو بڑی گستاخی قرار دیتے ہوئے فرمایا:

اِتَّقُوْاللّٰہَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ [20] ”یعنی اگر مومن ہو تو اللہ سے ڈرو (اللہ کی قدرت میں شک نہ کرو)۔“

حضرت تھانویؒ اس کا معنی لکھتے ہیں:

هل تستطيع أن تسأل ربَّک [21] ”کیا آپ اپنے رب سے سوال کر سکتے ہیں۔“

اس آیت میں ان دو قراءتوں کی بناء پر ایک ہی آیت سے حواریوں کے سوال کے دو پہلو سامنے آتے ہیں:

ا۔ یہ کہ وہ یہ سوال کرنا چاہتے تھے کہ کیا حضرت عیسیٰؑ کا رب آسمان سے کوئی مائدہ نازل کرے گا یا نہیں کرے گا۔یعنی وہ اپنے قول:"آ منّا واشهَد بأ نّنا مسلمون" کی بناپر مومن تو تھے، لیکن ابھی ان کو ایمان کے اندر وہ رسوخ حاصل نہیں ہوا تھا لہذا وہ یہ سوال کر بیٹھے۔جیسا کہ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

"یعنی هل یستطیع"والی قراءت ان کے دعویٰ ایمان کے خلاف تھی،اس وجہ سے حضرت عیسیٰؑ نے ان کو تنبیہ فرمائی اور کہا اللہ سے ڈرو۔لیکن دوسری قراءت یعنی "هل تستطیع ربک "یہ ان کے دعویٰ ایمان باللہ کے خلاف تو بظاہر نہیں ہے، لیکن اس سے یہ شبہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے اللہ سے تعلق کو نہیں پہچان سکے تھے۔گویا ان کو حضرت عیسیٰؑ کی درخواست کی قبولیت پر شک تھا، جس پر حضرت عیسیٰؑ نے ان کو تنبیہ فرمائی۔خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں قراءتوں سے حواریوں کے سوال کے دونوں پہلوؤں کی وضاحت ہو جاتی ہے۔[22]

تبیین وتوضیح قراءات

یعنی ایک بات کسی ایک قراءت میں مبہم ہوتی ہے تو دوسری قراءت میں اس کی وضاحت ہو جاتی ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ[23]

آیت مذکورہ میں لفظ "اَخٌ"اور"اُختٌ"میں اِبہام ہے کہ وراثت کی تقسیم میں ذکر کیا گیا حصہ کس بھائی اور بہن کا ہے؟ حقیقی (سگے) بھائی اور بہن مراد ہیں، علاتی (جو باپ کی طرف سے ہوں) یا اخیافی (جو ماں کی طرف سے ہوں) تو دوسری قراءت میں اس کی وضاحت یوں موجود ہے:

وَلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ مِّنْ اُمٍّ[24] ’’جو اخیافی بہن بھائی ہوں، ان کا وراثت میں یہ حصہ ہے۔‘‘

نصوص کا ظاہری تعارض اور علم قراءات

وہ مسائل جن میں بظاہر نصوص میں باہمی تعارض نظر آرہا ہوتا ہے اور رفعِ تعارض کے لئے تطبیق کی کوئی صورت نکالنا ہوتی ہے، وہاں بھی قراءات مدد ومعاون ثابت ہوتی ہیں، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ[25]

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب پکارا جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔‘‘

مذکورہ بالا آیت میں ذکر ہے کہ جب تمہیں جمعہ کے لئے ندا دی جائے تو اللہ کے ذکر کے لئے دوڑو، جبکہ دوسری طرف صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے:

أنَّ أبا هريرة قال سمعتُ رسول الله ﷺ يقول إذا أُقِيمتِ الصلوةُ فلا تأتوها تسعون وأتوها تمشون،عليكم السكينة فما أدركتم فصلُّوا وما فاتكم فاتمُّوا[26]

"حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم دوڑ کر اس کی طرف نہ آؤ بلکہ چلتے ہوئے آؤ، تم پر اطمینان لازم ہے۔ جو پالو پڑھ لو اور جو رہ جائے اُسے مکمل کر لو۔"

اب بظاہر دو نصوص کے درمیان تعارض کی کیفیت نظر آرہی ہے۔ آیت قرآنی کے مطابق نماز جمعہ کے لئے دوڑ کے آنا چاہئے جبکہ حدیث نبویؐ نماز کے لئے دوڑ کر آنے سے منع کررہی ہے، اب اگر دیگر قراءات کو سامنے رکھا جائے تو یہ ظاہری تعارض بآسانی دور ہو رہا ہے، مثلاً ایک دوسری قراءت میں لفظ "فاسعوا" جس کے معنی دوڑنے کے ہیں، کی جگہ لفظ "فَامْضُوْا" ہے جو اطمینان اور سکون سے چل کر آنے کا معنی دیتا ہے، گویا دوسری قراءت نے اس ظاہری تعارض کو یوں رفع کیا کہ حدیث نبویؐ کا مفہوم اپنی جگہ ٹھیک ہے اور آیت قرآنی میں لفظ "فَاسْعَوْا" کا مفہوم جمعہ کے لئے انتہائی کوشش اور جستجو سے آنے کا ہے، جو دوسری قراءت کو سامنے رکھتے ہوئے اَخذ کیا گیا۔

مختلف فقہی اَحکام کا اِستنباط اور علم قراءات

قرآن مجید کو فقہ اِسلامی میں اصل الاصول اور ماخذ اوّل کی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے ہر دور میں قرآن کی متعدد قراءات پڑھنے، علم قراءات سیکھنے اور بوقتِ ضرورت قراء کی طرف رجوع کرنے کا بہت اہتمام فرمایا ہے تاکہ قراءاتِ متواترہ اور غیر متواترہ کے درمیان فرق کرنے کے ساتھ ساتھ ان قراءات سے شرعی اَحکام پر استدلال اور مختلف قراءات پر مرتب ہونے والے فقہی آثرات کی نشاندہی کر سکیں۔ اگرچہ قرآن کریم سے اَحکام کے استنباط کرنے میں فقہائے کرام نے قراءاتِ متواترہ کے ساتھ بعض مسائل میں شاذہ قراءت کو پیش نگاہ رکھا ہے لیکن یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہنا ضروری ہے کہ متنوع قراءاتِ قرآنیہ کی وجہ سے احکام فقہ میں اوامر ونواہی اور حلال و حرام میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یعنی اختلاف تضاد اور تناقض ممکن نہیں ہے کہ ایک ہی لفظ میں ایک قراءت کے مطابق کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جارہا ہو اور دوسری قراءت کے مطابق تقاضا ممانعت کا ہو رہا ہو یا ایک قراءت میں کسی چیز کو حلال اور دوسری قراءت میں حرام قرار دیا گیا ہو، بلکہ بعض مقامات پر ایک قراءت کا معنی دوسری قراءت کے معنی میں وسعت اور گہری مناسبت پیدا کر دیتا ہے۔ اور دونوں معانی کا انطباق ایک ہی ذات یا چیز پر ہو رہا ہوتا ہے۔

جیسا کہ سورت فاتحہ میں "مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ" میں دوسری قراءت "مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ" ہے۔[27] ایک قراءت کا معنی روز جزاء کا مالک اور دوسری قراءت کا معنی روز قیامت کا بادشاہ ہے۔ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں دونوں قراءتوں نے مل کر معنی و مطلب میں وسعت اور مزید نکھار پیدا کر دیا۔ اور بعض دیگر مقامات پر ایک قراءت دوسری قراءت کے ساتھ بغیر تضاد اور ٹکراؤ کے نیا فائدہ اور مختلف حکم ثابت کر رہی ہوتی ہے۔ اور کبھی دو قراءتوں کے درمیان ظاہری تعارض بھی واقع ہو جاتا ہے اس لیے فقہاء کے نزدیک کسی لفظ میں دو متواتر قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں انہیں دل سے قرآن تسلیم کرنا اور ان کے مقتضیٰ کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے اور ان کا معنی و مفہوم اس طرح بیان کیا جائے گا جس طرح کسی ایک مسئلہ میں نازل ہونے والی دو آیات کا بیان کیا جاتا ہے۔ اور اگر دو متواتر

قراءتوں میں ظاہری تعارض نظر آئے تو اُن کے درمیان جمع و تطبیق کی کوئی صورت نکالنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح دو آیتوں کے درمیان ظاہری تعارض کی صورت میں نکالی جاتی ہے۔ بسا اوقات دو مختلف قراءات مختلف مسائل کے استنباط کا فائدہ بھی دیتی ہیں، مثلاً اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ [28] "اور تم ان کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک صاف ہو جائیں۔"

یعنی بیوی سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک اُسے حیض آنا بند نہ ہو جائے۔ قراءتِ حفص کے اعتبار سے بیوی سے جماع کے لئے حیض کے بند ہونے کے بعد غسل کی صورت میں طہارت ضروری نہیں، صرف حیض کا بند ہونا ہی کافی ہے جبکہ دوسری قراءت میں لفظ "يَطْهُرْنَ" کے سکون کے بجائے تشدید کے ساتھ "يَطَّهَّرْنَ" ہے۔[29] جس کا معنی یہ ہوگا کہ بیوی کے قریب جانے کے لئے حیض کا بند ہونا ہی کافی نہیں بلکہ غسل کرنا بھی ضروری ہے، چنانچہ دو مختلف قراءات سے الگ الگ مسائل کے استنباط سے یہ مترشح ہو رہا ہے کہ اس مسئلے میں تخفیف کا پہلو موجود ہے۔

دوسری مثال: اسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب مال مسروقہ اسلام کے مقرر کردہ نصاب تک پہنچ جائے گا تو چور کا دایاں ہاتھ کاٹیں گے یا بایاں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے جس آیتِ مبارکہ میں حدِ سرقہ بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے:

وَ السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا أَيْدِيَهُمَا[30]

یہ ائمہ عشرہ کی قراءت ہے، جو متواترہ ہے جس کی رُو سے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ بیان نہیں کیا گیا کہ اس کا کون سا ہاتھ کاٹا جائے گا؟ لیکن فقہائے اُمت کا اس بات پر اِتفاق ہے کہ جب پہلی دفعہ کسی شخص پر چوری کا جرم ثابت ہو جائے اور چوری کا سامان بھی مقررہ نصاب تک پہنچ جائے تو چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس اجماع کی ایک دلیل قراءتِ شاذہ کا ورود ہے۔ یہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْمَانَهُمَا[31]

اس کا مطلب یہ ہے کہ قراءت متواترہ میں چور کا مطلق ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے اور یہ قید نہیں ہے کہ کون سا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ لیکن قراءت شاذہ دائیں ہاتھ کے کاٹنے کو متعین کر رہی ہے۔ گویا اس حکم کا مدار اجتہاد پر نہیں بلکہ نص پر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایسے بہت سارے مسائل ہیں، جن پر اختلاف قراءات کی بناء پر فقہی احکام پر اثرات مرتب ہوتے ہیں، خواہ ان مسائل کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات یا معاشرت یا اخلاقیات سے ہو، ہر شعبہ کے بہت سارے مسائل کا قراءات سے گہرا تعلق ہے اور قراءت ہی کی بناء پر بہت سارے مسائل کا حل پایا گیا ہے۔

قراءات قرآنیہ کا نحوی قواعد پر اثرات

بعض متنورین (روشن خیال طبقہ) جو علم القراءات کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے وہ علم نحو و صرف کے قواعد پر قرآنی

قراءتوں پر حاکم بنادیتے ہیں اوران کے خیال میں جو قراءت نحو وصرف کے قواعد کے خلاف ہو، اسے یہ کہہ کر ردّ کردیتے ہیں کہ یہ قواعد عربیت کے خلاف ہے، اور یہ بہت بڑی جسارت ہے کہ غیر قرآن کو قرآن کریم پر حاکم بنادیا جائے، اور وحی پر مبنی قراءات کی صحت وسقم کا فیصلہ ایسے علوم سے کیا جائے جو سراسر انسانی سعی وکاوش کا نتیجہ ہیں، جبکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض یہ بنتا ہے کہ قواعد لغت کی تصحیح قراءاتِ قرآنیہ سے کریں، اس کے برعکس قراءات کی تصحیح قواعدِ عربیت سے کرنا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا، کیونکہ قواعدِ لغت کا انحصار قراءتِ قرآنیہ اور نصوص سنت پر ہے، اور قراءات کا دار ومدار سماع پر ہے اجتہاد واستنباط پر نہیں، متعدد صحابہ کرامؓ نے ان قراءات کا سماع نبی کریم ﷺ سے کیا، اور ان سے تابعینؒ نے اَخذ کیا، اور تبع تابعینؒ تک ہوتا ہوا یہ علم اَئمہ قراء تک پہنچا اور انہوں نے اسے آگے روایت کیا۔ لہٰذا علم قراءات کے سلسلہ میں آئمہ لغت یا علماءِ نحو کی تقلید نہیں کی جاسکتی، اس لئے کہ اس فن کا تمام تر دار ومدار رسول اللہ ﷺ سے سماع پر ہے، جیسا کہ حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں:

القراءة سنة متبعة أن يأخذ بالآخر عن الأول[32]

''فن قراءت لائق اتباع ایسی سنت نبویہ ہے جسے بعد میں آنے والا اپنے پیشرو سے اَخذ کرتا ہے۔''

یہ بات ذہن نشین ہو جانی چاہیے کہ قراء کرام کی قراءات کا دار ومدار نحوی قواعد یا فقہی مسائل کی طرح اجتہاد اور قیاس واستنباط پر نہیں ہے بلکہ قراءاتِ قرآن صرف رسول اکرم ﷺ سے سماع پر موقوف ہے ہیں۔ شیخ عبد العظیم زرقانیؒ لکھتے ہیں:

''علماء نحو نے اپنے نحوی قاعدے قرآن کریم، کلام رسول (حدیث نبوی ﷺ) اور کلام عرب سے حاصل کئے ہیں۔ لہٰذا جب معتبر اور مقبول روایت کے ساتھ قرآن کی قرآنیت ثابت ہو جائے تو وہی علماء نحو بنائے ہوئے قواعد کا فیصلہ کرے گی۔ اور ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے قواعد کی تصحیح کے لئے کلام اللہ (قرآن کریم) کی طرف رجوع کریں، یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کے بعض خلافِ قرآن بنائے ہوئے قواعد کو قرآن کریم پر حاکم بنادیا جائے، ورنہ اس طرز عمل سے اس اصول کا ترک لازم آئے گا جس کا لحاظ کرنا ضروری ہے اور یہ آیت قرآنی کے خلاف ہوگا۔''[33]

قاعدہ

تمنی یا ترجی کے جواب میں فعل مضارع پر فا آجائے تو اس فا کے بعد ''أن'' مصدریہ مقدر ہوتا ہے جو فعل مضارع کو نصب دیتا ہے۔[35] جبکہ حفصؒ کے علاوہ باقی قراء کرام فا کو عاطفہ بناتے ہیں اور ''أبلغ'' پر عطف ڈالتے ہوئے ''فأطَّلِعُ'' کو مرفوع پڑھتے ہیں۔[36]

اسی طرح امام عاصم رحمہ اللہ نے سورۃ عبس کی آیت ''وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ * أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرَىٰ''[37] میں ''فَتَنْفَعَهُ'' منصوب پڑھا ہے کیونکہ اس میں مضارع پر فا ''لعل'' کے جواب میں ہے، اور یہاں بھی فعل مضارع پر فا کے بعد ''أن'' ناصبہ مقدر ہے۔ جبکہ عاصم رحمہ اللہ کے علاوہ باقی قراء نے ''یزکی'' پر عطف ڈالتے ہوئے ''فَتَنْفَعُهُ'' کو مرفوع پڑھا ہے۔

قاعدہ

اسی طرح علماء نحو کے ہاں یہ قاعدہ بھی معروف ہے کہ افعال رجحان ''ظن، حسب، خال اور نعم'' کے بعد فعل مضارع پر آنے والا ''أن'' ناصبہ بھی ہو سکتا ہے اور مخففہ من المثقلہ بھی، اور دوسری صورت میں فعل کو مرفوع پڑھا جائے گا۔اور یہ قاعدہ سورۃ المائدہ کی آیت ''وَ حَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ'' (سورۃ المائدہ: ۷۱) سے لیا گیا ہے، کیونکہ اس آیت میں ابو عمرو بن علاء، حمزہ اور الکسائی نے ''تکون'' کو رفع سے پڑھا ہے، اور ''أنْ'' کو مخففہ من المثقلہ بنایا ہے، جبکہ ان کے علاوہ باقی قراء نے ''تکون'' کو نصب سے پڑھا ہے اور ''أن'' کو مصدریہ (ناصبہ) بنایا ہے۔ یاد رہے کہ کلام عرب میں ''أن'' چار اقسام پر ہے:

۱۔أن مصدریہ جو فعل مضارع کو نصب دیتا ہے، اور یہ معروف ہے جیسے: ''أرید أن تخرج''

۲۔أن مخففہ عن المثقلہ: اور یہ افعال شک ویقین کے بعد آتا ہے جیسے: ''عَلِمَ أَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى'' (المزمل: ۲۰)

۳۔أن تفسیریہ اور یہ ایسے فعل کے بعد آتا ہے جو قول کے معنی میں ہو جیسے: ''وَنٰدَيْنٰهُ أَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ'' (الصافات: ۱۰۴)

۴۔أن زائدہ اور یہ تین مقامات میں تاکید کے لئے زائد آتا ہے:

(۱) "لَمَّا" کے بعد جیسے ''فَلَمَّآ أَنْ جَاءَ الْبَشِيْرُ'' (یوسف: ۹۶)

(۲) قسم اور "لو" کے درمیان جیسے ''واﷲ أن لو قمتَ قمتُ''

(۳) کاف جارہ اور اس کے مجرور کے درمیان بھی أن زائدہ آتا ہے جیسے ''کأن ظبیۃ''(38)

ذکر کردہ چند مثالوں سے یہ بات ثابت کرنا مقصود ہے کہ قواعد لغت قراءاتِ قرآنیہ سے اَخذ کیے گئے ہیں، اور قراءات ان قواعد سے مقدم ہیں، اس لیے قراءات کو قواعد پر حاکم بنانا اور ان کی صحت وسقم کا فیصلہ قراءات سے کرنا جو قاعدہ ان کے مطابق ہو اسے قبول کرنا اور جو خلاف ہو اس میں ترمیم کر کے قراءتِ قرآن کے موافق بنانا ہی قرین قیاس ہے، اس کے برعکس قواعدِ عربیہ کو قراءات پر حاکم بنا دینا اور قراءات کی صحت وسقم کو قواعد لغت کے تابع بنا دینا تو ایسے ہی ہے جیسے فروع کو اپنے اصول پر حاکم بنا دیا جائے اور یہ درست نہیں بلکہ عدل وانصاف کے اصول کے خلاف ہے۔ لہٰذا قراءات کو قواعد سے پرکھنا بھی علمی دیوالیہ پن کی علامت ہے۔

قراءات قرآنیہ کا عقیدہ کے مسائل پر اثرات

توحید کا ثبوت مختلف طریقوں سے: مثلاً "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" میں پہلی قراءت اسم فاعل کے وزن پر ''مٰلِکِ یوم الدین'' ہے یہ قراءت عاصم، کسائی، یعقوب اور خلف العاشر سے نقل کی گئی ہے۔ دوسری قراءات ''مَلِکِ یوم الدین'' الف کو گرانے اور "حَذِرِ" کے وزن پر عاصم، کسائی، یعقوب اور خلف العاشر کے علاوہ باقی قراء سے نقل کی گئی ہے۔(39)

اِستدلال

(۱) اگر (ملک) اسم فاعل کے وزن پر پڑھیں تو اس کا مطلب ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ایسا بادشاہ اور حاکم مطلق ہے جو اپنی تمام

مملوکہ اشیاء میں اپنی منشاء سے تصرف کرتا ہے، اور قیامت کے دن کرے گا جس دن کسی کو کسی چیز میں تصرف کرنے اور حکم چلانے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۲) اگر ملک ہو تو مفہوم یہ ہوگا کہ ایسا حاکم جو اپنی ملکیت میں اوامر و نواہی کے ساتھ تصرف کرے۔ یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دنیا کے دیگر بادشاہوں کی بنسبت ارفع و اعلیٰ اور عزت و تکریم میں ہوگا جبکہ یہ دنیا کے بادشاہ اور حکمران دنیا کے برعکس (ذلیل و خوار) ہوں گے۔

قراءاتِ قرآنیہ کے اعجاز کا افعال عباد میں اثر

قراءاتِ قرآنیہ کا افعال عباد میں گہرا اثر ہے۔ اگر قرآن کریم کے ایک لفظ کو پڑھ کر کسی کم فہم شخص کے ذہن میں کوئی اعتراض اٹھتا ہے تو اس کو یا تو اسی قراءت سے جواب دیا جائے گا، یا پھر کسی دوسری قراءت سے اس لفظ کا معنی کھل کر سامنے آجائے گا اور معترض کے اعتراض کا جواب بھی مل جائے گا۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا فرمان: قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ لِأَهَبَ لکِ غُلَامًا زَکِیًّا[40]

اب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں دو قراء تیں ہیں۔

(۱) "لِأَهَبَ"، ہمزہ کے ساتھ یہ باقی قراء کی قراءۃ ہے۔

(۲) "لِیَهَبَ"، "یا" کے ساتھ یہ ورش، ابو عمرو، یعقوب اور قالون کی قراءۃ ہے۔[41]

درج بالا دو قراءتوں کی توجیہ

پہلی قراءت کی توجیہ: جو قراءۃ ہمزہ "لأهب" کے ساتھ ہے یہ ایک ظاہری اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ اولاد دینے والا تو مالک کائنات ہے جو کہ بے اولادوں کو اولاد ہبہ کرتا ہے۔ لیکن اس آیت کریمہ میں جبریل علیہ السلام وہبیت اولاد کی نسبت اپنی طرف کر رہے ہیں۔

جواب: جبریل علیہ السلام کا "لأهب لک" کہنا مجاز عقلی کے طریق سے ہے نہ کہ معنی حقیقی کے اعتبار سے۔ گویا "لأهب لک" کہنے سے ایک وہبیت اولاد کے سبب کی طرف اشارہ کر دیا جو کہ جبریل علیہ السلام ہیں۔ اور فعل کی نسبت سبب کی طرف کرنا عام ہے۔ قرآن کریم میں اس کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا بتوں کے بارے میں یہ فرمان ہے:

رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (ابراہیم: ۳۶)

دوسری قراءت کی توجیہ

رہی دوسری قراءت "لیهب لک"، "یا" کے ساتھ اس میں وہبیت اولاد کی نسبت حقیقی واہب (جو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہے) کی طرف کی گئی ہے۔ اس وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ "لیهب"، "یا" والی قراءۃ اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ اولاد دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جبریل علیہ السلام نہیں ہیں وہ تو سبب ہیں۔ یہی محل اتفاق ہے اہلسنت والجماعت کے ہاں۔ پھر دوسری قراءت اس لیے لائی گئی تاکہ

یہ ثابت کیا جائے کہ افعال کی نسبت مجازاً مخلوق کی طرف کرنا جائز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے کوئی بندہ ایسا نہیں کر سکتا۔[42]

قرآن کریم کا اسلوب بلاغی اور قراءات متواترہ کا اس پر اثر

ناقدین و قارئین اس بات سے روز روشن کی طرح آگاہ رہیں کہ تنوع قراءات اسلوب بلاغی کی ہی مختلف صورتوں میں سے ہے اور ان کا قرآنی اعجازات پر نمایاں اثر ہے۔قرآن کریم واضح عربی زبان میں نازل ہوا اور ایسی قوم پر اترا جو فصاحت و بلاغت اور بیان میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ لیکن قرآن مجید نے اپنے بیان کے ساتھ ان کو حیران کر کے رکھ دیا اور کئی طرق سے ان کو مقابلہ سے عاجز و ناتواں بنا دیا ان کی فصاحت و بلاغت بکھیرنے والی زبانی گنگ ہو گئیں حتیٰ کہ انہوں نے قرآن کریم کے اسلوب بیان کی انفرادیت کو تسلیم کر لیا۔ اس قرآن کا ہر کلمہ اپنے اندر ایک شیرینی اور مٹھاس رکھتا ہے اور اس کے مختلف خوشے ہیں جو لہلا رہے ہیں اور اس کے موتی بکھرے ہوئے ہیں جو چننے کے قابل ہیں اور اس کے جملوں کا اوّل و آخر آپس میں مربوط ہے۔ ان تمام خوبیوں کی بنا پر اس کتاب نے ہدایت اور نور کے لیے عقل اور وجدان کی کھڑکیوں کو کھول دیا۔اسی بناء پر علماء قرآن کے اعجازات کے اسرار کو تلاش کرنے لگے۔ان اسرار میں سے ایک راز اعجاز بلاغی ہے بلکہ اکثر علماء کا خیال ہے کہ بلاغت کے اسالیب اور وسائل حقیقت میں یہی قرآن کے معجزہ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے، چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قراءات کتاب اللہ کی وجوہ اعجاز میں سے ایک وجہ ہے۔ ہر قراءت سے الگ مسئلہ ثابت ہونا اس کے جملہ فوائد میں سے ایک فائدہ ہے۔ کسی چیز کے اعجاز میں مبالغہ اس کے کم حروف اور زیادہ معانی میں ہوتا ہے، کیونکہ یہ ایک قاعدہ ہے کہ زیادتی الفاظ، زیادتی معانی کا فائدہ دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قراءت بمنزلہ آیت کے ہے۔"[43]

اسی بنا پر قراءات بلاغت کی وجوہ میں سے ایک ایسی وجہ ہے جو کہ واضح بیان کے ذریعے قرآن کے اعجاز کو ثابت کرتی ہے۔ان تمام خصائل حسنہ کی وجہ سے قراءات کا بلاغت کے ساتھ ایک نا ختم ہونے والا تعلق ہے۔

رسم عثمانی اور قراءات کے درمیان تعلق

نزول قرآن کے وقت سیدنا جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی راہنمائی فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ پر رکھا جائے اسی وجہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصاحف عثمانیہ جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں لکھے گئے وہ اسی ترتیب پر لکھے گئے جو ترتیب لوح محفوظ میں موجود ہے۔ مصاحف عثمانیہ کے بارے میں یہ بھی ثابت ہے کہ وہ نقطوں، شکلوں سے خالی تھے اور حذف واثبات اور فصل و وصل وغیرہ کے بارے میں مختلف تھے اور یہ مصاحف راجح قول کے مطابق ان سبعہ احرف کے مطابق تھے جن پر قرآن نازل ہوا اور یہ بھی احتمال موجود ہے کہ یہ مصاحف ان قراءات کے مطابق تھے جو عرضۂ اخیرہ میں باقی رہ گئی تھیں رسم عثمانی کے اعجازات میں سے ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ ایک ہی رسم سے تمام قراءات صحیحہ متواترہ پڑھی جاتی ہیں، چونکہ مصاحف عثمانیہ نقطوں اور زبر، زیر اور پیش سے خالی تھے اسی وجہ سے بعض دفعہ ایک ہی رسم میں ایک سے زائد قراءات سما جاتی تھیں۔ مثلاً: "نَغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ"

(البقرۃ:۵۸)اس میں تین قراءات ہیں۔

امام نافع اور امام ابو جعفر کی قراءت "یُغْفَرْلَکُمْ خَطٰیٰکُمْ" ہے، اور امام ابن عامر شامی کی قراءت "تُغْفَرْلَکُمْ خَطٰیٰکُمْ" ہے۔ اور باقی تمام قراء کی قراءت "نَغْفِرْلَکُمْ خَطٰیٰکُمْ" ہے۔[44] اگران کا رسم رسم عثمانی کی بجائے، رسم قیاسی کے مطابق ہوتا تو اس سے بعض قراءات ساقط ہو جاتی جبکہ رسم عثمانی سے تمام قراءات صحیحہ متواترہ نکل آتی ہیں مثلاً: سورہ بقرہ: ۵۱ میں "وَإِذْ وٰعَدْنَا "اس کلمہ میں دو قراءات ہیں۔ امام ابو عمرو بصری، امام ابو جعفر اور امام یعقوب ''وَعَدْنَا'' جبکہ دیگر قراء کرام "وٰعَدْنَا "پڑھتے ہیں۔[45] اس کو اگر "وَاعَدْنَا" بالالف لکھ دیا جاتا تو "وَعَدْنَا" کی قراءت ساقط ہو جاتی، لیکن اس کے موجودہ رسم (رسم عثمانی) سے "وٰعَدْنَا ، وَعَدْنَا "دونوں قراءات ہی پڑھی جارہی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ قراءات کا تفسیر، فقہ، بلاغت، نحوی قواعد اور رسم عثمانی کے ساتھ تعلق ہے اور متنوع قراءات کا ان علوم پر کیا اثرات ہوتے ہیں ان کی چند مثالیں اوپر گزر چکی ہے، اس لیے قرآن وسنت دونوں کے تحفظ کے لئے اس طرف توجہ دینا ہو گی ورنہ بیمار اَفکار کے حامل، اِعتزالی روش کے عادی اور فتنہ پرور محققین کیسے اَحادیث کو قرآن کریم کے مقابل لاتے ہیں اور پھر قرآن کریم کی اتھارٹی کا بہانہ بنا کر ذخیرہ اَحادیث سے ہاتھ صاف کرنے کا جواز تلاش کرتے ہیں۔ فتنہ اِنکار حدیث ہمیں کیوں سبق نہیں دیتا کہ علم قراءت کو پس پشت ڈالنا گویا کہ مذکورہ محققین کو کھلی چھٹی دینا ہے، تاکہ وہ قراءت کو ''فتنہ عجم''کا نام دے کر اُسے مشکوک ٹھہرائیں اور پھر نصوص کے باہمی تعارض کو بہانہ بنا کر اَحادیث صحیحہ کا انکار کردیں۔

حواشی وحوالہ جات

(1) (سورہ بقرہ:23)

(2) الجصاص، امام ابو بکر الرزی الحنفی: اَحکام القرآن، بیروت دار الکتب العلمیہ: ۲، ۳۴۵

(3) الجصاص: حوالہ مذکور، ۲، ۳۴۶

(4) (البقرۃ:۲۴۵)

(5) ابن الجزری، شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد، النشر، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲، ۲۲۸،
نیز مصحف القراءات العشر، سورۃ البقرۃ: ۲۴۵

(6) القیسی، ابو محمد مکی بن ابی طالب: الکشف عن وجوہ القراءات السبع، بیروت مؤسسۃ الرسالۃ، ۱، ۳۰۰

(7) ابن الجوزی: زاد المسیر، ۱، ۲۲۱

(8) ثناء اللہ پانی پتی: تفسیر مظہری، مترجم، کراچی: ایم ایچ سعید کمپنی، ۱، ۵۵۷

(9) (البقرۃ:۱۱۹)

(10) ابن الجزری: النشر، ۲، ۲۲۱

(11) ابن خالویہ، ابو عبداللہ الحسن بن احمد: الحجۃ فی القراءات السبع، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ص ۳۶

(12) احمد مختار عمر، الدکتور، عبد العال سالم مکرم: معجم القراءات القرآنیہ، ۱؍۱۰، ایران: انتشارات اسوۃ، 1191ء

(13) ثناء اللہ پانی پتی: تفسیر مظہری، ۱؍۲۰۷، نیز آلوسی: روح المعانی، ۱؍۳۳۳

(14) تھانوی، مولانا اشرف علی: بیان القرآن، ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۱؍۶۵

(15) القرطبیؒ: أحکام القرآن، ۲؍۹۲

(16) (التوبۃ: ۸۰)

(17) (المائدۃ: ۱۱۲)

(18) ابن الجزری: النشر، ۲؍۲۵۶

(19) ثناء اللہ پانی پتی: تفسیر مظہری، ۴؍90،91

(20) معجم القراءات القرآنیۃ، ۲؍۲۳۸

(21) تھانوی: بیان القرآن، ۳؍۴۷

(22) آلوسی: روح المعانی: ۷؍۵۱،۵۰

(23) (النساء: ۱۲)

(24) معجم القراءات القرآنیہ: 2؍116

(25) (الجمعۃ: ۹)

(26) القشیری، مسلم بن الحجاج، المحدث الکبیر: صحیح مسلم، کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، ۸۵۷

(27) ابن الجزری: النشر، 1؍271

(28) (البقرۃ: ۲۲۲)

(29) (النشر: 2؍80)

(30) (المائدۃ: ۳۸)

(31) معجم القراءات القرآنیہ: 208/2

(32) (السنن الکبری للبیہقي: ۳۸۵)

(33) الزرقانی، علامہ عبد العظیم: مناہل العرفان فی علوم القرآن، بیروت: دار الکتب العربی، ۱؍۴۲۲

(34) (سورۃ غافر: ۳۶،۳۷)

(35) (هدایہ النحو:140)

(36) (النشر:2،440)

(37) (سورۃ عبس:۳،۴)

(38) حجۃ القراءات ابو زرعہ:۳ ۲۳

(39) النشر:۱،۱۷۲، فتح الوصید للسخاوي:۱۷۵

(40) (مریم:۱۹)

(41) (إبراز المعاني:۵۸۲، النشر:۲،۳۱۷)

(42) (الکشف بمکي:۲،۸۶،۸۷، روح المعاني:۱۶،۷۷)

(43) السیوطی، امام جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر، الاتقان فی علوم القرآن:۲۔۵۴

(44) (النشر:۲،217)

(45) (النشر:۲،237)